سید جعفر شاہ پھلواروی

ازدواج اور معاشرہ

قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کے احکام دئے ہیں۔ ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ معاشرہ یا سوسائٹی افراد کے مجموعے کا دوسرا نام ہے۔ افراد جتنے مکمل ہونگے معاشرہ اسی قدر بہتر ہوگا۔ اسی طرح معاشرہ جتنا اچھا ہوگا اسی قدر بہتر افراد پیدا ہوں گے۔ اور اسی قدر افراد کی خامیاں دور ہوتی جائیں گی۔ فرد اور سوسائٹی دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک مقصود انفرادی ہی تکمیل ہے لیکن اجتماعیت اس کے لئے ایک ناگزیر ذریعہ ہے۔ کیونکہ سوسائٹی کا اثر افراد پر ضرور پڑتا ہے۔ یہ اثر دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک ہے اخلاقی ماحول اور دوسرا قانونی دباؤ۔ فرد کی طبیعت میں اگر سلامت روی ہو، تو اس پر اخلاقی ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے اور بطور خود بھی وہ اخلاقی پابندیاں اپنے اوپر عائد کر لیتا ہے۔ لیکن اگر اس کی فطرت میں سرکشی ہو اور وہ اخلاقی ماحول سے دور نہ ہوسکے تو وہاں قانونی دباؤ کی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن چاہتا تو یہی ہے کہ افرادِ معاشرہ قانونی دارو گیر سے بالاتر رہ کر اپنی رضاکارانہ خوش دلی سے یا اپنے اندرونی اخلاقی تقاضوں سے احکام پر عمل کریں۔ اور اسلام بھی درحقیقت اسی جذبے کا نام ہے، لیکن تمام افراد اتنے اعلیٰ کردار کے حامل نہیں ہوتے۔ اس لئے قانون کو بھی حرکت میں لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور قرآن نے کچھ قانون بھی اسی لئے دئے ہیں۔ اگرچہ ان کی بنیاد بھی اخلاق ہی پر ہے۔

قرآن فرد کی اخلاقی فطرت سے اپیل کر کے اس کے انفرادی فیصلے پر بھی اعتماد کرتا ہے۔ اور معاشرے کو بھی اجتماعی طور پر مخاطب کرتا ہے۔ بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا فیصلہ فرد ہی کر سکتا ہے اور معاشرے کی قانونی گرفت وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔ اور ان ہی مواقع کے لئے حضورؐ نے

"استفت قلبک" — اپنے ضمیر سے فتوےٰ لو

فرمایا ہے۔ مثلاً ارشادِ قرآنی ہے۔ کہ:-

...... فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔ — حالتِ اضطرار میں بعض حرام اشیاء کے استعمال میں گناہ نہیں، بشرطیکہ اس میں چاہت اور زیادہ از ضرورت نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ اضطرار کا فیصلہ معاشرے کی بجائے خود فرد کرے گا جس فرد پر یہ مجبورانہ حالت گزر رہی ہے وہی اس بات کا صحیح فیصلہ کر سکتا ہے کہ آیا وہ نقطۂ اضطرار پر پہنچ چکا ہے یا نہیں۔ بلاشبہ معاشرے کو یہ فیصلہ کرنے کا حق

ہو سکتا ہے لیکن یہ ایک اندازہ ہوگا۔ اصلی فیصلہ خود فرد کا ضمیر ہی کرسکتا ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے کہ :۔

فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر ...الخ جو مریض یا مسافر ہو وہ روزہ قضا کرسکتا ہے

یہاں مسافرت کی حدود تو معاشرہ متعین کرسکتا ہے، لیکن مرض ایسا ہے یا نہیں جس میں روزہ قضا کیا جاسکے، اس کا فیصلہ فرد ہی کرے گا۔ اگرچہ بعض فقہاء نے اس میں بھی طبیب حاذق کے فتوے کی قید لگائی ہے لیکن روزہ تو سراپا ایسی عبادت ہے جس میں معاشرے سے کہیں زیادہ خود فرد کا اخلاقی ضمیر کام کرتا ہے۔

یہی صورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب کوئی مریض مجبور ہو کر وضو کی بجائے تیمم کرے۔ اس طرح کے بہت سے مسائل اور بھی ہیں جہاں فرد کا فیصلہ ہی اصلی فیصلہ ہوتا ہے۔

دوسری طرف بے شمار احکام ایسے ہیں جن کا روئے سخن معاشرے کی طرف ہوتا ہے۔ اور تنہا ایک فرد پر اس کا فیصلہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے کہ :۔

قاتلوا حتیٰ لا تکون فتنۃ۔ فتنہ دور کرنے کی حد تک قتال کرو۔

یہاں کسی ایک فرد کو یہ اختیار نہیں کہ ہاتھ میں تلوار یا بندوق لے کر اپنی مرضی سے جہاں چاہے مار کاٹ شروع کردے۔ اس کا فیصلہ بہرحال معاشرہ کرے گا کہ کب، کہاں اور کس حد تک اور کس انداز کا قتال کیا جائے؟

تیسری صورت یہ ہے (جو دراصل دوسری ہی شکل کی ایک نوع ہے) کہ معاشرے کو اجتماعی حکم دیا جاتا ہے مگر اسیں افراد کو بھی دخل ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن نے حکم دیا :

اقیموا الصلوٰۃ۔ نماز قائم کرو

یہ حکم اجتماعی ہے۔ نماز کا قیام با جماعت ہونا چاہیئے۔ معاشرہ فرد سے عدم شرکت کے متعلق بازپرس بھی کرسکتا ہے لیکن نماز میں خلوص، یکسوئی، توجہ الی اللہ وغیرہ فرد ہی کا کام ہے۔ معاشرے کی گرفت سے یہ چیزیں باہر ہیں۔

جو حکم اجتماعی ہو اس کو کلیۃً فرد کے فیصلے پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس میں کچھ تو ایسے ہوں گے جہاں معاشرے کی دار و گیر کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ لیکن جہاں تک معاشرے کی پہنچ ہو وہاں معاشرے کو مداخلت کا، پابندیاں لگانے کا اور دار و گیر کا حق حاصل ہے۔ اگر کوئی شخص تنہا قتال کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو معاشرہ اسے روک سکتا ہے۔ قتال میں نیک نیتی و اخلاص کو باقی رکھنا تو بلاشبہ فرد کا کام ہے۔ لیکن اس عمل قتال کا فیصلہ فرد کا کام نہیں۔ یہ معاشرے کا فرض ہے۔

اب اسی روشنی میں نکاح و طلاق اور دوسرے عائلی قوانین کو دیکھنا چاہیئے۔ اپنے زوج کو پسند کرنا فرد کا کام ہے۔ اس سے محبت و خلوص قائم رکھنا بھی فرد کا کام ہے۔ اس کے لئے ایثار کرنا بھی فرد کا کام ہے۔ معاشرہ اس میں کیا دخل دے سکتا ہے؟ ان تمام معاملات میں فرد کے اخلاقی ضمیر کو بیدار کیا گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اسی کے فیصلے پر موقوف ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عائلی زندگی کے بے شمار گوشے ایسے بھی ہیں جن کا تعلق سوسائٹی سے ہے۔ اور بلاشبہ اس میں سوسائٹی کو

دخل دینے کا حق پہنچتا ہے۔

پہلے یہ دیکھئے کہ ازدواج اور دوسرے عائلی قوانین میں اجتماعیت کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چند احکام نکاح کے متعلق دیکھئے:

(۱) وابتلوا الیتٰمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم — یتامیٰ کو جانچتے رہو تا آنکہ وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں، تو اگر تم ان میں رشد دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

بلوغِ عمرِ نکاح اور رشد کا اندازہ صرف یتیم ہی نہیں کرے گا، معاشرے کو بھی اس میں دخل ہے۔ اسی لئے روئے سخن معاشرے کی طرف ہے۔

(۲) فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ۔ — بیویوں سے جو تمتع حاصل کرتے ہو تو ان کا مقرر کردہ مہر بھی دے دو ہاں تعین مہر کے بعد اگر کمی بیشی میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اسمیں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

یہاں بھی روئے سخن صرف زوجین کی طرف نہیں بلکہ معاشرے کی طرف ہے۔ تراضیا کا لفظ نہیں تراضیتم کا لفظ ہے۔

(۳)..... ولا متخذی اخدان۔ — تعلقات زنا و شوئی خفیہ نہ ہوں۔

یعنی کسی زن و مرد کو یہ اختیار نہیں کہ چپکے سے نکاح کر لیں۔ ان کو اعلان کرنا پڑے گا۔ اور گواہوں کی موجودگی بھی اسی لئے ہے۔

اسی طرح طلاق کے معاملے کو دیکھئے:

(۱) پہلے بعث حکمین ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے

فان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا۔ — اگر تمہیں زوجین کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو دونوں کے خاندان سے ایک ایک حکم لے لو

یہاں بھی معاشرے ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ کام اسی کے ذریعے ہوگا۔

(۲) دو گواہ ضروری ہیں۔ جیسا کہ حکم ہے:

واشھدوا ذوی عدل منکم۔ — اپنے اندر سے دو عادل گواہِ طلاق بھی مہیا کر لو۔

یہاں بھی ظاہر ہے کہ گواہوں کا وجود معاشری ضرورت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

یہ چند امثلہ محض اس لئے پیش کئے گئے ہیں کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ازدواج یا عائلی زندگی کے دوسرے احکام بھی محض ذاتی و انفرادی نہیں بلکہ اس کا تعلق معاشرے سے ایسا گہرا ہے کہ اس کے بغیر تکمیل کار ہی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص

معاشرے کو اطلاع دئے بغیر یعنی گواہوں کے بغیر نکاح کرے یا طلاق دیدے۔ یا دوسری شرائط نہ پوری کرے تو خواہ فقہاء کے نزدیک عنداللہ اس کا انعقاد صحیح ٹھہرے۔ لیکن معاشرہ اور اس کا محکمۂ قضا اسے صحیح تسلیم نہیں کرے گا۔ وہ اس سے باز پرس کرسکتا ہے، سزا دے سکتا ہے، اور اس روش کی روک تھام کے لئے کچھ پابندیاں عائد کرسکتا ہے۔

اب ہم جب تعدد ازدواج کے بارے میں حکم قرآنی کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی روئے سخن معاشرے ہی کی طرف نظر آتا ہے۔ ارشاد ہے:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورٰبع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ.....	اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں[1] کے بارے میں (معاشری) قسط نہ کرسکو گے تو تمہیں ان ہی عورتوں میں سے جو پسند ہوں دو دو۔ تین۔ چار نکاح کرلو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر قناعت کرو

یہ انداز تخاطب فرد واحد سے نہیں بلکہ معاشرے سے ہے۔ لہٰذا معاشرہ فیصلہ کرے گا کہ کس وقت اور کس کس کے لئے تعدد ازدواج مناسب ہے۔ فرد واحد کو اس کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ بجائے خود ہی تعدد کا فیصلہ کرے۔ تعدد تو الگ رہا، اگر معاشرہ چاہے تو کسی فرد کے لئے تو حدّ کو بھی روک سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے مقاصد نکاح کی عدم تکمیل کا اندیشہ ہو۔ نکاح کے لئے ضروری ہے کہ:

۱۔ سن بلوغ ہو۔

حتیٰ اذا بلغوا النکاح۔	جب وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں

۲۔ نفقہ ادا ہو۔

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن۔	عورتوں کا روٹی کپڑا شوہر کے ذمے ہے۔

۳۔ جنسی قوت ہو وغیرہ وغیرہ

اگر معاشرے کو یہ علم ہو کہ ان میں سے کسی شرط کا فقدان ہے تو وہ ایک نکاح کو بھی روک سکتا ہے۔ قرآن نے خود ایسے غیر مستطیع اشخاص سے یہ اپیل کی ہے کہ:

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتیٰ یغنیھم اللہ من فضلہ۔	جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہ ہو وہ اس وقت تک صبر کریں جب تک اللہ ان کو غنی نہ کردے۔

حضورؐ سے بعض ایسے لوگوں نے خصی ہونے کی اجازت چاہی تھی۔ مگر حضورؐ نے انہیں اس سے روک دیا۔ مگر مقدور ہونے تک نکاح سے بھی روکے رکھا۔

---

[1] یتیم بے باپ اور بے شوہر دونوں کو کہتے ہیں۔ اور فی الواقع ہیں بھی دونوں ایک دوسرے سے وابستہ۔ اس لئے قرآن ایسا لفظ لایا ہے جو دونوں کے مسائل کو حل کردے۔

دوسری بات اس میں یہ قابلِ غور ہے کہ جس آیت میں وان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ ہے اس میں عدل کو تو تعددِ ازدواج کے لئے ضروری تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس سے پہلے جو وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی ہے اسے تعددِ ازدواج کے لئے شرط لازم تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسائلِ یتامیٰ کے پیش آئے بغیر اور معاشرے کی اجازت کے بغیر ہی ہر شخص کو انفرادی طور پر تعددِ ازدواج کی کھلی چھٹی ہے۔ گویا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی" کا پورا ٹکڑا بلاضرورت ہی لایا گیا ہے اور یہ شرط ہو یا نہ ہو مگر "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع" پر بلا تکلف عمل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں "وان خفتم" کی شرط جہاں بھی لگائی گئی ہے وہ شرط لازم ہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ فان خفتم الا یقیما حدود اللّٰہ ...... الخ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو خلع میں کوئی مضائقہ نہیں

۲۔ فان خفتم فرجالا او رکبانا۔ اگر تمہیں خوفِ دشمن ہو تو پیدل اور سواری پر ہی نماز ادا کرو۔

۳۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا الخ۔ اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ زوجین میں پھوٹ ہو گی تو بعث حکمین کرو۔

۴۔ ....ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ نماز مختصر کر دو یعنی صلوٰۃ الخوف ادا کرو، اگر دشمن کے فتنے کا خوف ہو۔

ان تمام مثالوں میں دیکھ جائیے۔ ہر جگہ "ان خفتم" کا ٹکڑا شرط لازم ہی کے لئے آیا ہے۔ عدمِ اقامتِ حدود اللہ کے خوف کے بغیر خلع نہیں ہو گا۔ خوفِ دشمن کے بغیر چلتے ہوئے یا سواری پر نماز نہیں ادا کی جائے گی۔ شقاقِ زوجین کے خوف کے بغیر بعث حکمین کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ خوفِ فتنۂ دشمن کے بغیر صلوٰۃ خوف نہیں ادا کی جائے گی۔ ٹھیک اسی طرح وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی کے بغیر فانکحوا...... مثنیٰ وثلٰث وربٰع پر عمل نہیں ہو گا۔ اور "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی" کا فیصلہ معاشرہ کرے گا۔ ہر کس و ناکس کو یہ اختیار نہیں کہ اس شرط کے بغیر ہی تعددِ ازدواج کی کھلی چھٹی حاصل کر لے اور کسی فرد کو یہ بھی حق نہیں کہ فان خفتم الا تعدلوا کی شرط کے بغیر ہی تعددِ ازدواج کرنا شروع کر دے۔ اگر کوئی ان شرائط کے خلاف جاتا ہے تو معاشرے کو حق ہے کہ اسے روکنے کے لئے پابندیاں عائد کرے۔ اس میں نہ قرآن کی مخالفت ہے نہ حدیث و فقہ کی۔ بلکہ یہی عین منشائے قرآن و حدیث و فقہ ہے۔

بحث اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس پر ہو سکتی ہے کہ آج پابندیاں لگانے کا وقت آ گیا ہے یا نہیں یا فلاں پابندی مناسب ہے یا غیر مناسب؟ لیکن اس پر کہ "معاشرے کو پابندیاں لگانے کا حق و اختیار ہے یا نہیں" کوئی بحث نہیں ہو سکتی۔ معاشرے کو یہ حق ہمیشہ سے حاصل ہے اور رہے گا اور رہنا چاہئے کہ وہ اپنے دور کے مناسبِ حال کچھ پابندیوں کو ختم کر دے اور کچھ پابندیوں کو عاید کر دے۔

اس وقت ہمارے ملک میں دو قسم کے جنون کا دور دورہ ہے۔ ایک جنون یہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ ٹھیک ہے لہٰذا اسلام کو اسی قالب میں ڈھالنا چاہئے۔ اور دوسرا جنون یہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں جو کچھ بھی ہو وہ صرف غلط ہے لہٰذا اس کی کوئی بات بھی نہیں لینی چاہئے۔ ان دونوں جنونوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ پہلا اسلامی خودداری کے

خلاف ہے اور دوسرا "الحکمۃ ضالۃ المومن" کے خلاف۔ ہمیں ان دونوں جنونوں سے بالاتر ہو کر نیک نیتی کے ساتھ اپنے ملکی و معاشرتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر سوچنا چاہیئے اور قرآنی اسپرٹ یا قرآنی حدود سے متجاوز نہ ہونا چاہیئے۔

بعض لوگ ہر معاملے میں "لامحدودیت" کے قائل ہیں۔ یعنی جو شخص جتنی چاہے زمین رکھے، جتنا چاہے زر رکھے۔ معاشرے کو اس پر پابندی لگانے کا اختیار نہیں۔ ایک چیز رہ گئی تھی یعنی زن۔ اب بعض لوگوں نے اسے بھی لامحدود تعداد میں رکھنے کی اجازت دے دی ہے۔ اور اس کی دو صورتیں تجویز کی ہیں۔ ایک ہے تعدّد ازدواج اور دوسرے لاتعداد لونڈیاں۔

حقیقت مسئلہ یہ ہے، جیسا کہ ہم بھی کئی بار واضح کر چکے ہیں، کہ قرآن مجید کا رجحان توحّد ازدواج کی طرف ہے۔ وہ ایک مرد کے لئے ایک ہی زوج کو پسند فرماتا ہے۔ مگر اس قانون میں ایک ایسی لچک بھی رکھی ہے کہ اگر کسی دور میں تعدّد ازدواج کی ضرورت پڑے تو چند شرائط کے ساتھ اس ناگزیر علّت کو بھی اہون البلیّتین کے طور پر اختیار کیا جا سکے۔ تعدد کی اجازت "مطلق" نہیں بلکہ مقید ہے چند شرائط کے ساتھ۔ اور ان شرائط کو خود قرآن نے واضح فرما دیا ہے۔ مثلاً یہ کہ بلوغِ نکاح (جنسی صلاحیت) ہو (حتیٰ اذا بلغوا النکاح)، نفقہ برداشت کر سکے (وعلی المولود لہٗ رزقھن وکسوتھن)، عدل ہو (فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ) اور یتامیٰ کا مسئلہ حل طلب ہو (وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمیٰ الخ وغیرہ

اب غور طلب بات یہی رہ جاتی ہے کہ آیا ہمارے موجودہ دور میں یہ شرائط پائی جاتی ہیں؟ یہ بڑی دردناک داستان ہے اور اس وقت تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ اگر کسی کو انکار ہو تو شہادات بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ شاید ایک فیصد بلکہ ایک فی ہزار انسان ایسے ہونگے جو ان شرائط کا لحاظ رکھتے ہوں۔

اب اس کے بعد ہی دوسرا سوال سامنے آتا ہے کہ جہاں اس نوع کی سوشل ناہمواری پائی جاتی ہو وہاں سوسائٹی کو مداخلت کرنے اور اس شر سے بچانے کے لئے قانونی پابندیاں عائد کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ہمارے نزدیک اثبات میں ہے، نفی میں نہیں۔ معاشرے کو ہر معاشرتی معاملے میں یہ حق پہنچتا ہے۔ اسے مصالح اُمت کے تحت کئی طرح کے حقوق حاصل ہیں مثلاً:

(۱) معاشرے کو ایسے قوانین نافذ کرنے کا حق ہے جو پہلے موجود نہ تھے مثلاً

پہلے حلالہ کرنے والوں کے لئے رجم کی سزا تجویز نہیں کی گئی تھی مگر حضرت عمرؓ نے اس کا اعلان فرما دیا۔

پہلے کاشتِ اجناس کی کوئی تفصیلی شرحِ خراج نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ مقرر فرمائی۔

پہلے غیر شادی شدہ زانی کے لئے شہر بدری کی سزا نہ تھی۔ جناب عمرؓ نے یہ سزا مقرر فرمائی اور بعد میں واپس بھی لے لی۔

پہلے عربوں کے لئے غلام ہونے کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ جناب عمرؓ نے ممانعت فرما دی۔

(۲) نیز معاشرے کو یہ بھی حق ہے جو قوانین پہلے رائج تھے ان کو بدل دے مثلاً:

پہلے شعرا عورت کا نام لے کر تشبیب سے آغاز کلام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اسے روک دیا۔

پہلے ہجویہ اشعار پڑھے جاتے تھے، جنابِ عمر نے اس سے منع کر دیا۔
پہلے ام ولد کی خرید و فروخت جائز تھی، جناب عمر نے اسے بند کر دیا۔
پہلے ہر قیدی کا فدیہ ایک دینار تھا، حضرت عمرؓ نے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں مقرر فرمائیں۔
پہلے مفتوحہ زمینیں مجاہدوں میں تقسیم کی جاتی تھیں، جنابِ عمر نے اسے ختم کر دیا۔
پہلے تین طلاقیں بیک مجلس رجعی تھیں، حضرت عمر نے اسے مغلظہ قرار دیا اور بعد میں اس فیصلے کی غلطی پر شدید اظہار ندامت بھی فرمایا۔

حتیٰ کہ معاشرے کو یہ بھی حق ہے کہ مصالح اُمت کے لئے منصوص چیزوں کو بدل دے۔ مثلاً:
پہلے مؤلفۃ القلوب کو از روئے قرآن زکوٰۃ دی جاتی تھی، لیکن حضرت عمر نے اسے بند کر دیا۔
پہلے گھوڑوں پر زکوٰۃ کی ممانعت تھی، لیکن حضرت عمر نے گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ لگا دی۔
اور یہ بھی سن لیجئے کہ پہلے از روئے قرآن زن کتابیہ سے مسلمان کا نکاح جائز تھا، لیکن حضرت عمر نے اسے روک دیا۔ حضرت حذیفہ یمانی نے مدائن کی گورنری کے دوران میں ایک یہودیہ سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ میرا یہ خط زمین پر رکھنے سے پہلے اسے الگ کر دو۔ اور وجہ یہ بتائی کہ: فانی اخاف ان یقتدی بک المسلمون فیختاروا نساء اھل الکتٰب لجمالھن وکفی بذلک فتنۃً لنساء المسلمین۔ یعنی مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تمہاری پیروی میں دوسرے مسلمان بھی اہلِ کتاب کی عورتوں سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادیاں کرنے لگیں گے اور مسلمان عورتوں کے لئے یہ بڑا فتنہ ہو جائیگا۔
پہلے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے کئی شرائط ایسی ہیں جو پہلے نہ تھیں اور حضرت عمر نے ان کو نافذ کیا۔
ہم نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ خالص عبادات تک میں بعض ایسی چیزوں کا اضافہ ہوا ہے جو پہلے نہ تھا:
خطبۂ جمعہ سے پہلے والی اذان پہلے نہ تھی۔ اور حضرت عثمان نے رائج کر دی اور وہ آج تک رائج ہے۔
پہلے باجماعت بیس رکعت تراویح پڑھنے کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ مگر حضرت عمر نے اسے جاری کیا۔ اور وہ آج تک جاری ہے۔
کہا جاتا ہے کہ پہلے خطبۂ جمعہ نماز جمعہ کے بعد (عیدین کی طرح) ہوا کرتا تھا۔ لیکن امیر معاویہ کے دور میں یہ خطبہ قبل از نماز کر دیا گیا۔ اور آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم
(اوپر کی تمام مثالوں کے حوالے ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور اپنے کئی مضامین میں ان کا ذکر بھی کر چکا ہوں۔ آخری مثال (خطبۂ جمعہ) کے متعلق مجھے یہ یاد نہیں کہ کس کتاب میں دیکھا ہے)
بہرحال اوپر کی مثالوں سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ معاشرہ ایسے احکام بھی نافذ کر سکتا ہے جو پہلے موجود ہی نہ

ہوں۔ ایسے قوانین بھی جاری کرسکتا ہے جو پہلے قوانین سے مختلف ہوں اور ایسی پابندیاں بھی عائد کرسکتا ہے جو بظاہر منصوصات کے خلاف لیکن دراصل ان کی اسپرٹ کے مطابق ہوں یعنی مقصود مصالح اُمت ہو۔

اسی روشنی میں آپ تعدد ازدواج کو دیکھئے۔ تعدد ازدواج کے متعلق ابھی تک کسی نے فرض یا واجب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تمام جرح کرنے والوں نے اسے صرف مباح اور جائز ہی قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک جائز چیز پر پابندی لگانے والے تم کون ہوتے ہو؟ سوال یہ ہے کہ ایک مباح چیز پر کوئی پابندی لگانا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ ناجائز ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ اور اوپر کی مثالیں اس کے متعلق کیا فتوے دیتی ہیں؟ اور اگر یہ پابندی جائز ہے تو اس پر اتنا شور و فغاں کیوں؟ امام غزالی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

جمیع المحرمات تباح بالضرورۃ (الدین یسر ص۱۹) تمام حرام چیزیں بھی بوقتِ ضرورت مباح ہو جاتی ہیں۔

تو کیا مصالح اُمت کے لئے صرف مباحات پر پابندیاں لگانے کا معاشرے کو کوئی حق نہیں؟ اور جس فعل پر خود قرآن پابندیاں عائد کر رہا ہو ان ہی پابندیوں کو بروئے کار لانے کے لئے معاشرہ کوئی قانون نافذ نہیں کرسکتا؟ ہمارے نزدیک معاشرے کا یہ حق ایک ایسا مسلّم حق ہے کہ اس پر کسی قسم کی بحث ہی غلط ہے۔ بحث صرف اس پر کی جاسکتی ہے کہ ان تجاویز میں مصالح اُمت ہیں یا نہیں؟ ان میں شر غالب ہے یا خیر؟ تعدد ازدواج کی شرائط پوری کی جاتی ہیں یا نہیں؟ ان باتوں کی تسکین ضروری ہو تو ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں۔

پھر ایک عجیب تماشا یہ ہے کہ بعض حضرات تعدد ازدواج کو "سنت" بھی قرار دیتے ہیں اور تعدد ازدواج پر پابندیاں لگانے کو "سنت" کی مخالفت بتاتے ہیں۔ گویا یہ لوگ سنت کا سب سے بڑا مخالف سیدنا عمرؓ کو سمجھتے ہیں جنہوں نے ایک نہیں بیسیوں احکام ایسے نافذ فرمائے جو عہدِ نبوت میں سرے سے موجود ہی نہ تھے یا بالکل مختلف تھے۔ انہیں کون سمجھائے کہ "سنت" کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ جن لوگوں کے نزدیک لامحدود جاگیرداری عین اسلام ہو، لاتعداد لونڈیوں کو بلانکاح مصرف میں لانا عین دین ہو، اور کئی طرح کی ناگفتہ بہ حرکات عین تقویٰ ہوں ان کو اگر سنت کا مفہوم سمجھنے میں دشواری ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اگر "مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع" سے چار نکاح کرنے کی اجازت نکلتی ہے اور یہ تعدد "سنت" ہے تو ذرا اور آگے بھی قدم بڑھائیے۔ چار کی تحدید بھی کیوں ہو جبکہ یہ کوئی اجماعی مسئلہ نہیں؟ امام شوکانی اور ان کے بہت سے ہم نوا نوتک بیک وقت نکاح کو جائز سمجھتے ہیں (اور ایک فرقہ تو بلاحصرِ تعداد کا بھی قائل ہے) شوکانی کی عبارت ذرا ملاحظہ فرمائیے:

کیف یصح اجماع خالفتہ الظاھریۃ وابن الصباغ والعمرانی والقاسم بن ابراھیم نجم آل الرسول جماعۃ من الشیعۃ وثلۃ من محققی المتاخرین

(چار سے زیادہ ذکر کرنے کے متعلق) اجماع کا دعوےٰ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے جبکہ ظاہریہ، ابن الصباغ، عمرانی، قاسم بن ابراہیم نجم آل الرسول، شیعوں کی جماعت اور متاخر محققین کا ایک گروہ سب ہی اس اجماع کے خلاف

وخالفه ایضا القرآن الکریم لما بیّناه وخالفه ایضاً فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (دبل الغمام)

ہیں اور قرآن بھی اس کے خلاف ہے جیسا کہ ہم (شوکانی) بیان کرچکے ہیں۔ اور خود فعل نبوی بھی اس کے خلاف ہے۔ (کیونکہ حضور نے بیک وقت چار سے زیادہ رکھیں)

نیز امام شوکانی لکھتے ہیں:

اما الاستدلال علی تحریم الخامسة وعدم جواز زیادۃ علی اربع بقول اللہ عز وجل مثنیٰ وثلٰث وربٰع فغیر صحیح۔ (سیل الجرار و شرح منتقیٰ)

مثنیٰ وثلث وربع سے زائد از چہار اور پانچویں بیوی کی حرمت کی دلیل لانا درست نہیں۔

نواب سید صدیق حسن خاں صاحب بھی یہی سمجھتے ہیں اور وہ اس آیت سے پانچویں کی حرمت کے قائل نہیں۔ وہ اس کی حرمت کے قائل سنت سے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

فالاولیٰ ان یستدل علی تحریم الزیادۃ علی الاربع بالسنة لا بالقرآن۔ (فتح البیان)

بہتر یہی ہے کہ زائد از چہار کی حرمت کی دلیل قرآن سے نہیں بلکہ سنت سے لائی جائے۔

اب ذرا اس سنت کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ کہ اس کے متعلق ابن عبدالبر اور شوکانی کیا فرماتے ہیں کہ:

اما حدیث امرہ لغیلان لما اسلم وتحتہ عشر نسوۃ بان یختار منھن اربعا ویفارق سائرھن کما اخرجہ الترمذی وابن ماجۃ وابن حبان فھو وان کان لہ طرق فقد قال ابن عبدالبر کلھا معلولۃ واعلہ غیرہ من الحفاظ بعلل اخری۔ (دبل الغمام)

غیلان کے پاس دس بیویاں تھیں۔ اسلام لانے کے بعد ان کو حضور کا یہ حکم فرمانے کی روایت کہ چار کو رکھ کر باقی کو چھوڑ دو (جیسا کہ ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے لکھا ہے) یہ اگرچہ متعدد طرق سے مروی ہے مگر حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ایسی تمام اسناد مجروح ہیں۔ اور دوسرے حفاظ حدیث نے بھی دوسرے طریقوں سے اُن اسناد پر جرح کی ہے۔

یہ تمام عبارتیں نواب صدیق خاںؒ کی "مطالب ظفر اللاضی بما یجب فی القضاء علی القاضی" میں موجود ہیں۔

تو گویا زائد از چہار کی ممانعت قرآن میں نہیں اور سنّت نبوی بھی —— جو سنتِ صحابہ پر بہر حال مقدّم ہے —— زائد از چہار ازواج کرتا ہے۔ بلکہ خود صحابہ کو چار سے زیادہ کرنے کی ممانعت کی روایات بھی صحیح نہیں۔ لہٰذا اب ہمارے علماء کو صرف تعدد ازدواج پر پابندی لگانے ہی کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ چار سے زیادہ پر پابندی لگائی جائے تو اس کی بھی مخالفت کرنی چاہئے۔ جو مصالح اُمت چار سے وابستہ ہو سکتی ہیں وہ تو بلکہ اس سے بھی زیادہ سے وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

ہمارے نزدیک شوکانی کا نظریّہ غلط نہیں۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ کون کتنی بیویاں کرے۔ اس کا فیصلہ

اپنے عصری تقاضوں کے مطابق معاشرہ کرے گا۔ زیادہ یا کم کا فیصلہ معاشرے کا کام ہے۔ جیسے حالات پیش آئیں گے ویسا وہ فیصلہ کرے گا اور وہ عین مطابق سنت ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نمایندگانِ معاشرہ کو مصالح اُمت، اخلاص نیت، بے غرضی اور عدل کو پیش نظر رکھنا ہوگا نہ کہ مغربی یا ملّائی اثرات کو۔

ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ میرج کمیشن کی رپورٹ کی تائیدیں بھی اور تردیدیں بھی بیشتر و اکثر ایسی ہیں جن میں استدلال سے زیادہ جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی گئی ہے۔ رپورٹ میں کچھ گوشے ایسے بھی ہونگے جہاں اختلاف کی گنجائش ہو اور استدلالی پہلو کسی قدر کمزور ہو لیکن کوئی تجویز ایسی نہیں پیش کی گئی ہے جس کی دلیل میں قرآن، حدیث اور فقہ کو نہ پیش کیا گیا ہو۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے یہ شور مچانا کہ "اسلام کو لپیٹ کر الگ رکھ دیا گیا ہے اور اس کے مرتب کرنے والوں نے ناظرہ قرآن بھی نہیں پڑھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ صرف جذباتی باتیں ہیں۔ کسی کے متعلق اس قسم کا سوئے ظن نہ ہونا چاہئے اور نہ اپنے متعلق یہ غلط فہمی ہونی چاہئے کہ اسلام اور فہم اسلام صرف ہمارے نام الاٹ ہو چکا ہے۔ ہم ان معترضین سے درخواست کریں گے کہ وہ "ازدواجی زندگی کے متعلق اہم قانونی تجاویز" کو ایک نظر دیکھ جائیں۔ یہ کتابچہ عائلی کمیشن کی رپورٹ سے ایک سال پہلے ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے شائع ہو چکا ہے۔ اور بعد میں شائع ہونے والی رپورٹ کی بہت سی باتوں پر علمی انداز سے بحث کی گئی ہے۔ رپورٹ کی تنقید کے وقت جذباتی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے صرف یہ لکھنا چاہئے کہ اس میں فلاں بات غلط ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔ یا اس میں فلاں تجویز کی جو فلاں دلیل کتاب و سنت و فقہ سے دی گئی ہے وہ ان ان وجوہ سے کمزور ہے۔

ہم نے تو ابھی صرف تعدد ازدواج کے متعلق خیال ظاہر کیا ہے۔ باقی چیزوں کے متعلق انشاء اللہ آئندہ لکھا جائیگا

اسلام اور موسیقی

مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

قیمت تین روپے ۴ر

اسلام اور رواداری

مصنفہ مولانا رئیس احمد جعفری

قیمت ۶ روپے

اسلام اور مسئلہ زمین

مصنفہ پرنسپل محمود احمد صاحب

قیمت ۳ روپے ۸ر

ریاض السنت

مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواروی ندوی

قیمت آٹھ روپے

سکرٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ - ۲ کلب روڈ - لاہور